© rasailojaraid.com

مصر اَور اِخوان

(خلیل حامدی)

ناصر اور اخوان کی کشمکش، جو ۱۹۵۴ء سے چلی آرہی ہے، اب پھر انتہائی افسوسناک مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ ۱۹۵۴ء میں اخوان کے چھ سرکردہ رہنما تختۂ دار پر لٹکا دیئے گئے تھے، اور اب دوبارہ تین افراد کو پھانسی دے دی گئی ہے، جن میں نمایاں شخصیت سید قطب کی ہے۔ ان پر الزامات کی لمبی فہرست ہے لیکن سب سے بڑا اور ہولناک الزام یہ ہے کہ وہ صدر ناصر کو قتل کرنا چاہتے تھے اور طاقت کے بل پر ملک میں خونی انقلاب برپا کرنے کی اسکیم تیار کر رہے تھے۔ ان الزامات کی حقیقت کیا ہے اور اخوان کی طرف سے ان الزامات کا کیا جواب دیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالنے سے پہلے ان اسباب کا جائزہ لینا ضروری ہے جو درحقیقت اس کشمکش کی تہ میں کام کر رہے ہیں۔

پچھلے چند سالوں میں مصری حکومت نے اپنی خارجہ سیاست کو جس ڈھب پر چلایا ہے، مصر کے سنجیدہ اور محبِ وطن طبقے اس سے خوش نہیں ہیں بلکہ یہ ناخوشی سخت غیظ و غضب اور اضطراب و ہیجان میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ مصری قوم اسلام کی نام لیوا ہے، اسلامی تاریخ سے اُس کا گہرا رشتہ ہے، اسلامی علوم کا صدیوں سے وہاں چرچا ہے۔ دنیائے اسلام کے ساتھ ہمیشہ اس کے روابط رہے ہیں، ماضیٔ قریب میں اس کے اندر مُصلحین اور اہلِ علم و دعوت کی طاقتور جماعت گزر چکی ہے، شہری آبادی کے مخصوص حلقوں کو چھوڑ کر عام آبادی، جس میں اکثریت دیہاتی فلاحین کی ہے اسلام سے شدید وابستگی رکھتی ہے اور اس کی معاشرتی زندگی میں اسلامی روایات کا گہرا اثر پایا جاتا ہے۔

اس مسلمان قوم کو جس خارجہ سیاست سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ یہ ہے :-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں تک دنیائے اسلام کے مسائل و مشکلات کا تعلق ہے مصر کی خارجہ سیاست، ان کو اسلام یا مسلمانوں کے مسائل کی حیثیت سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کیمپوں کی مصلحت کی عینک سے دیکھتی ہے جن کی حاشیہ برداری کا اُسے شرف حاصل ہے، اور یا پھر وہ مصری حکّام کی ذاتی اغراض و مصالح کے تابع ہے۔ اس غلط نگاہی نے مصر کی سیاستِ خارجہ کو بے اصول اور ابن الوقت بنا کر رکھ دیا ہے۔

ایک طرف مصری حکومت اسرائیل کی دشمنی کو اپنا اولین و آخرین مقصد قرار دیتی ہے، مگر دوسری طرف ان ممالک سے اُس کی گاڑھی چھنتی ہے جنہوں نے نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کر رکھا ہے بلکہ اس کی ترقی و توسیع کے لیے کوشاں ہیں۔ یوگوسلاویہ سے دوستانہ تعلقات ہیں۔ حبشہ کے ہیلا سلاسی سے انتہائی دوستانہ ربط ضبط ہے، حالانکہ یہ شخص مسلمانوں کا قاتل ہے اور اسرائیل کے لیے افریقہ کی زمین ہموار کر رہا ہے۔ اریٹریا کی مسلم آبادیوں میں اس نے کئی اسرائیلی کمپنیوں کو کاروبار کی اجازت دے رکھی ہے۔ ایک مرتبہ امریکی کانگرس میں اس نے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "میں آئندہ بیس سال میں اُن تمام حبشی مسلمانوں کو عیسائی بنا دوں گا جو میری مملکت میں رہتے ہیں"۔ مکاریوس مصری حکومت کی نگاہ میں اس قدر عزیز ہے کہ ترکی کے خلاف اُسے جنگی اسلحہ تک کی امداد دی گئی۔ اور اب حال ہی میں نقوسیا سے اعلان ہوا ہے کہ اگر ترکی نے قبرص پر حملہ کیا تو اس کی جوابی کارروائی کے لیے مصر کے راکٹ مدد کے لیے پہنچیں گے۔ مکاریوس کی شخصیت کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہے، اسی نے قبرصی ترکوں کو بیدردی کے ساتھ قتل کیا ہے، اور یہ درحقیقت آرتھوڈکس کلیسا کی آڑ میں برطانوی استعمار کی خدمت کر رہا ہے۔ مکاریوس نے جب مصر کا دورہ کیا تھا تو اس نے صدر ناصر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا کہ "موصوف ہمارے ساتھ بڑی ملنساری سے پیش آئے، حتی کہ گفتگو میں انہوں نے فلسطین کے مسئلہ کا ذکر تک نہیں کیا"۔ اسی طرح مصری حکومت بھارت کے ساتھ دوستانہ روابط کا اس قدر لحاظ کرتی ہے کہ بھارت نے پاکستان پر جارحانہ حملہ کر دیا مگر اس کے جواب میں مصری حکومت مُنہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھی رہی۔ بلکہ کاسا بلانکا میں منعقد ہونے والی عرب سربراہوں کی کانفرنس میں اس کا موقف یہ تھا کہ ویت نام پر تو قرارداد پاس ہونی چاہیے مگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کشمیر کا ذکر نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس کانفرنس کے بعض دوسرے ممبر اس غلط پالیسی کے مقابلے میں نہ ڈٹ جاتے تو یہ کانفرنس مسئلۂ کشمیر اور پاکستان پر بھارتی حملے جیسے عظیم حادثہ پر سرے سے کوئی تبصرہ کیے بغیر برخاست ہو جاتی۔

مصری حکومت اور مصری حکمرانوں کے نامناسب تصرّفات نے شام کو ہمیشہ کے لیے تاریک مستقبل کے حوالے کر دیا۔ شام نے مصر کے ساتھ جوش و جذبہ انگیز اتحاد کیا تھا اُس کا تقاضا تھا کہ شامیوں کی اس عظیم تاریخی قربانی کی قدر کی جاتی اور جن داخلی مشکلات کی وجہ سے انہوں نے مصر کے دامن میں پناہ لی تھی انہیں حل کرنے میں مدد دی جاتی۔ یہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شام نے کمیونسٹوں کی دراندازیوں سے خائف ہو کر مصر کے ساتھ الحاق کیا تھا۔ مگر مصری حکام نے شام میں جس لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کیا اُس کی وجہ سے شام کو مصر سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اور اب اس کی کیفیت یہ ہے کہ وہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکا ہوا ہے۔ اس سے پہلے مصر سوڈان کو ضائع کر چکا ہے۔ وادئ نیل کے اتحاد کی کمند سرِ بام آ کر ٹوٹ گئی۔ نجیب کے ساتھ مصری حکام کا ظالمانہ سلوک سوڈانی عوام کو مصر سے متنفر کرنے کا سبب بن گیا۔ اور اب مصری حکومت اپنی سابق غلطیوں کی تلافی کرنے کے بجائے مزید غلطیوں کا ارتکاب کر رہی ہے۔ چونکہ سوڈان کی موجودہ حکومت مصر سے اتحاد کے حق میں نہیں ہے، اس لیے مصری حکام اُسے زک دینے کے لیے جنوبی سوڈان کے کمیونسٹوں کو اس کے خلاف بھڑکا رہے ہیں۔ حکومت سوڈان اُس مصری اسلحہ کا انکشاف بھی کر چکی ہے جو مصر سے جنوبی سوڈان میں داخل ہوا ہے۔

اب یمن کے مسئلے کو لیجیے۔ حقیقت یہ ہے کہ یمن کا مسئلہ مصری حکومت کی ناروا سیاست کے باعث نہ صرف مصر کے لیے بدنامی کا باعث بن گیا ہے بلکہ اسرائیلی ریڈیو کے الفاظ میں پورے عالمِ اسلام کی پیشانی کا کلنک کا ٹیکہ ہے۔ تین سال سے مصری فوجیں یمن میں بیٹھی ہیں۔ ان تین سالوں میں یمنی قبائل پر انہوں نے جو مظالم توڑے ہیں اُن کی تفصیل الگ رُوداد کی محتاج ہے۔ ان تین سالوں میں مصر اپنی فوجوں پر ایک ارب پونڈ صرف کر چکا ہے اور ابھی تک ۵ لاکھ پونڈ روزانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف ہو رہے ہیں۔ ایک لاکھ کے لگ بھگ افراد جنگ کی بھینٹ چڑھ گئے ہیں، جن میں دس ہزار سے زائد مصری فوجی ہیں اور باقی یمنی باشندے۔ ایک طرف عرب قومیت کے دعوے اور دوسری طرف عرب بھائیوں کا یہ قتلِ عام۔ ہر محبِ وطن کے لیے یہ معاملہ تشویشناک بن چکا ہے۔ مصر کے وہ لوگ خاص طور پر اس جنگ سے سخت بیزار ہیں جن کے سپوت صنعاء اور تعز کی پہاڑیوں میں لقمۂ اجل ہوتے ہیں۔ مصری حکومت لاکھ یہ پروپیگنڈا کرے کہ یمن کی جنگ میں مرنے والے "شہیدِ حریت" ہیں، مگر ایک مسلمان کا ضمیر اس بات پر کیسے مطمئن ہو سکتا ہے کہ مسلمان مسلمان کا گلا بھی کاٹے اور شہادت کا درجہ بھی پائے۔ اس صورتِ حال سے پوری عرب دنیا، یمنی عوام اور مصری قوم سراسیمگی میں مبتلا ہے۔ خود مصری فوج بھی اس سے اکتا چکی ہے۔ خود صدر ناصر کے ایک رفیق عبداللطیف بغدادی، اور کمال الدین حسین جو ان کے دستِ راست شمار ہوتے تھے، اس جنگ سے بیزاری کا اظہار کر چکے ہیں، اور اسی پاداش میں عتاب کے شکار ہو چکے ہیں۔

مسئلہ فلسطین کے ساتھ مصر کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ مسئلہ اب تک جن مراحل سے گزرا ہے ان کے پیشِ نظر یہ مسئلہ ہر امکانی حل سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور اب عرب عوام یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ مصری حکومت اس مسئلہ کے صحیح حل کے لیے کوئی مخلصانہ کوشش کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی جبکہ اسرائیل کا نفوذ روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ اولاً مصری حکومت اُن ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کیے ہوئے ہے جو نہ صرف اسرائیل کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ اسرائیل کے قدم مضبوط کر رہے ہیں۔ دوسری طرف جو ملک اسرائیل کو کچلنے کے لیے مدد دے سکتے تھے اُن سب سے مصری حکام نے سرد مہری کا رویہ اختیار کر رکھا ہے بلکہ کھلی کھلی مخاصمت تک نوبت پہنچا دی ہے۔ مسئلہ فلسطین کے بارے میں مصری سیاست کی نمایاں غلطیاں یہ ہیں کہ اُس نے غزہ پر بین الاقوامی ایمرجنسی فورس کا تسلط تسلیم کر کے اس علاقے کو عملاً اسرائیل کی لُوٹ کھسوٹ کے لیے کھول دیا ہے۔ یہی وہ علاقہ تھا جہاں سے عرب رضاکار اسرائیل میں گھس کر گوریلا وار جاری رکھ سکتے تھے۔ اب بین الاقوامی پولیس عرب رضاکاروں کو اس علاقے میں داخل نہیں ہونے دیتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اسرائیل اطمینان کے ساتھ اس علاقہ میں اپنے اقتصادی منصوبے رُوبکار لا رہا ہے۔ اسی طرح خلیج عقبہ پر بھی بین الاقوامی کنٹرول کو حکومتِ مصر نے تسلیم کر کے یہ خلیج عملاً یہودیوں کے ہاتھ میں دے دی ہے۔ بین الاقوامی کنٹرول سے پہلے یہودیوں کو اس خلیج میں گھسنے کی جرأت نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر اب اُس نے ایلات کے مقام پر عظیم الشان بندرگاہ تعمیر کر لی ہے اور اُس کے جہاز بڑے طنطنے کے ساتھ افریقی ممالک میں آجا رہے ہیں۔ اس خلیج کے کھل جانے سے وہ ناکہ بندی ختم ہو گئی ہے جس کی وجہ سے اسرائیل سخت پریشانی میں مبتلا تھا اور اس کی اقتصادی حالت شدید بحران کا شکار ہو رہی تھی۔ اب وہ بے کھٹکے افریقی ممالک میں اپنی تجارتی منڈیاں قائم کر رہا ہے اور افریقی ممالک کی کثیر تعداد بھی اس کے دامِ فریب میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔

یہ تمام تغیّرات مصری حکومت کی آنکھوں کے سامنے اس کی اپنی غلطیوں کی وجہ سے وجود میں آرہے ہیں جنہیں دیکھ کر عرب عوام کے سینوں میں آگ کے تنور بھڑک رہے ہیں۔ مگر مصری حکومت ان کی تلافی کے لیے کوئی ٹھوس اقدام کرنے کے بجائے اب یہ اعلان کر رہی ہے کہ "فلسطین کے مسئلہ کا واحد حل یہ ہے کہ عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہو جائیں"۔ یعنی دنیا کے مسلمان اس پر متحد نہ ہوں، تمام عرب بھی اس پر متحد نہ ہوں، صرف وہ عرب ملک متحد ہوں جنہوں نے سوشلزم اختیار کیا ہے۔ فلسطین کی تنظیم آزادی کے ایک اجلاس میں صدر ناصر نے تقریر کرتے ہوئے کہا ہے:

"میں صراحت سے کہوں گا کہ ہمارے پاس اتنی طاقت نہیں ہے کہ ہم اپنا دفاع بھی کر سکیں کجا کہ ہم حملہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔ دریائے اُردن کا رُخ موڑنے کے مسئلے کو بھی سرِدست ملتوی کر دینا چاہیے"۔

عبدالحکیم عامر نے دورۂ فرانس کے دوران پیرس میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"جمہوریہ عرب اسرائیل سے جنگ کی نہ خواہش رکھتی ہے اور نہ ارادہ"۔

اسی دَورے میں مصری حکومت نے ہزاروں ڈالر فرانس سے قرض لیا۔ مصر کے ایک فوجی افسر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بریگیڈیر محمد فوزی نے اپنی کتاب "صہیونیت اور اسرائیل" میں ص ۱۳۱ پر لکھا ہے کہ :

"بعض لوگ مسئلہ فلسطین کا حل جنگ قرار دیتے ہیں - یہ بالکل غیر معقول بات ہے۔

یہ حل اقوام متحدہ کی ان قرار دادوں کے منافی ہے جن پر تمام عرب ممالک دستخط کر چکے ہیں۔

نیز یہ حل پرامن بقائے باہم کے اصول کے بھی خلاف ہے جس کا مصر علمبردار رہا ہے۔"

یہ کتاب قاہرہ میں ملٹری ٹریننگ کالج کے کورس میں شامل ہے - کیا یہ بھی کوئی معمہ ہے جسے مصر کے مسلم عوام نہیں سمجھ سکتے کہ مصری حکومت یمن میں ایک ارب پونڈ خرچ کر سکتی ہے، ۶۰ ہزار فوج استعمال کر سکتی ہے، مگر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کے لیے اس کے پاس ذرائع نہیں ہیں -

دنیائے عرب بلکہ دنیائے اسلام میں اس وقت جو موضوع زبان زدِ عام و خاص ہے وہ ہے "اسلامی اتحاد" - عرب سربراہوں کی کانفرنس اپنے گزشتہ اجلاس میں یہ قرار داد پاس کر چکی ہے کہ مسئلہ فلسطین کو صرف عربوں تک محدود رکھنے کے بجائے اسے تمام مسلمانوں کا مسئلہ قرار دینا چاہیے، اور اس کے لیے مسلمان حکومتوں کا تعاون حاصل کرنا چاہیے - صومالی لینڈ کے سربراہ یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ مسلمان ملکوں کے درمیان بعض مسائل پر اتحاد ہونا چاہیے، اور اس غرض کے لیے مسلمان سربراہوں کی کانفرنس منعقد ہونی چاہیے - سعودی عرب کے شاہ فیصل اس تجویز کی تائید کرتے ہیں اور عملاً اس دعوت کو لے کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں - اب تقاضائے عقل و انصاف یہ تھا کہ مصری حکومت بڑھ کر اس دعوت سے تعاون کرتی، بلکہ اس کے مقدمۃ الجیش میں شامل ہوتی - مگر اس کے برعکس اس دعوت کی سب سے پہلے جس نے مخالفت کی ہے وہ مصر کے حکمراں ہیں - نہ وہ خود اس اسکیم میں شامل ہونے کے لیے تیار ہیں اور نہ دوسرے زیر اثر ممالک کو اس اسکیم میں شامل ہونے کی اجازت دیتے ہیں - بلکہ اس اسکیم کا جواب وہ دلیل سے دینے کے بجائے سب و شتم پر اتر آئے ہیں - سوال یہ ہے کہ اگر عرب ممالک کی سوشلسٹ اور انقلاب پسند حکومتیں متحد ہو سکتی ہیں، اور انقلاب اور سوشلزم کے نظریات کو بنائے اتحاد قرار دے سکتی ہیں تو اسلام کی اصولی بنیاد پر اتحاد کیوں حرام ہے؟ علاوہ ازیں مصری حکام نے اپنے مخالفوں پر تنقید کے لیے داگر عرب سربراہوں کو مخالفوں کی صف میں رکھا جا سکتا ہے، جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زبان اور اسلوب اختیار کیا ہے وہ نہ اسلامی اخلاق کے مطابق ہے نہ عربی اخلاق کے مطابق، بلکہ انسانی اخلاق بھی اس کو گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ کہنا کہ "فلاں" سید خاندان میں سے نہیں بلکہ شیطان کے خاندان میں سے ہے" "فلاں یہودی کا بچہ ہے": "فلاں ڈاڑھا ہے": کیا یہ زبان کسی مہذب حکومت کے پروپگنڈا کی زبان ہو سکتی ہے؟ آخر مصر کے باشندے اتنے گئے گزرے تو نہیں ہیں کہ وہ اپنے ملک کی ترجمانی اس انداز میں ہوتے دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔

مصر کی اندرونی حالت بھی قابلِ مطالعہ ہے جیسا کہ ہم نے ابتدا میں عرض کیا ہے، مصری عوام کی اکثریت سیدھے سادے فلاحین پر مشتمل ہے۔ فلاحین کی اسلام سے وابستگی اس قدر اٹل ہے جس قدر کسی بڑھیا کا ایمان اٹل ہو سکتا ہے۔ دوسرے ممالک کے مسلمانوں کی طرح ان کی خواہش بھی یہ ہے کہ مصر کے اندر اسلام کا چرچا ہو، اسلامی تعلیمات کو فروغ حاصل ہو، اسلامی قانون کو فوقیت حاصل ہو، ان کے سربراہ اسلامی شریعت کے پابند اور اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں۔ مگر حالات ان کی خواہشوں کی نہ صرف تکمیل نہیں کرتے بلکہ انہیں پامال کرتے ہیں۔

مصر کا میثاق جسے دستوری اختیارات حاصل ہیں، صاف اعلان کرتا ہے کہ ملک کے اندر سوشلسٹ نظام نافذ کیا جائے گا۔ صدر ناصر اس سوشلسٹ نظام کو "نظریاتی سوشلزم" کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور مصر کا پریس "نظریاتی سوشلزم" کی تشریح "مارکسزم" کرتا ہے۔ فاروق کے عہد تک دستور میں کم از کم یہ فقرہ موجود تھا کہ "ریاست کا سرکاری مذہب اسلام ہوگا" مگر مصری میثاق اس "رجعت پسندی" سے بالکل پاک ہے۔ سوشلسٹ نظام صرف زبان سے نہیں بلکہ عملاً مصر میں نافذ کیا جاتا ہے۔ "عرب سوشلسٹ پارٹی" جو مصر کی واحد پارٹی ہے، اس کا نفاذ اپنے ہاتھ میں لیتی ہے۔ مصر کی "کمیونسٹ پارٹی" اپنے وجود کو ختم کر کے "عرب سوشلسٹ پارٹی" میں ادغام کا اعلان کرتی ہے۔ سوشلزم کے نفاذ کے بعد مصری حکومت نے اندھا دھند شخصی جائدادوں اور کمپنیوں پر جس طرح قبضہ کیا ہے اس نے عوام کے اندر خوف و ہراس اور انتقامی جذبات کو بھڑکا دیا ہے۔ مصر کی اقتصادی حالت تباہی کے گڑھے تک پہنچ چکی ہے۔ خود الاہرام کے بیان کے مطابق قاہرہ گداگروں کا شہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن چکا ہے۔ اس سوشلزم سے اگر حقیقتاً کسی کو فائدہ پہنچا ہے تو وہ مزدور اور کسان نہیں ہیں بلکہ عرب سوشلسٹ پارٹی کے عہدیدار ہیں، جن کی دھاندلیوں اور لوٹ کھسوٹ سے کوئی شریف انسان نہیں بچ سکا۔

اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو مصر کے بڑے بڑے شہر قاہرہ اور اسکندریہ فسق و فجور کے اڈوں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔ اخبارات پر کمیونسٹ اور ملاحدہ چھائے ہوئے ہیں اور وہ جی بھر کر اباحیت اور اخلاقی انارکی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں۔ ہر وہ شخص جو پابندی سے نماز پڑھتا ہے، قہوہ خانوں اور تھیٹروں اور سینماؤں سے پرہیز کرتا ہے، وہ ان کی نگاہ میں رجعت پسند ہے، استعمار کا ایجنٹ ہے، گردن زدنی ہے۔

سب سے بڑی آفت جو مصر پر ٹوٹ رہی ہے، وہ فرعونی تہذیب کا احیاء ہے۔ مصری میثاق یہ کہتا ہے کہ "ہم اپنی ترقی کا خاکہ عہدِ فراعنہ کی تہذیب سے اخذ کریں گے"۔ رعمسیس (فرعون مصر) کا مجسمہ صحراء کی کھدائیوں سے منتقل کر کے قاہرہ کے وسط میں نصب کیا گیا اور اس منصوبے پر ۵ لاکھ پونڈ صرف ہوئے۔ صدر ناصر نے اپنی ایک تقریر میں عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: "اے تحتموت اور رعمسیس کے فرزندو!" اسی طرح ایک اور موقع پر تقریر کے دوران کہا تھا: "دو ہزار سال کے بعد آج مصر پر پہلی مرتبہ خود اہلِ مصر کو حکومت کرنے کا موقع ملا ہے"۔ گویا حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر اب تک کے تمام غیر مصری مسلمان حکمرانوں کا دور اُن کی نگاہ میں استعماری دَور تھا۔ اور فراعنہ کے دور کے بعد اب مصر کو پہلی مرتبہ استعمار سے آزادی نصیب ہوئی ہے۔ اور یہ جسارت یہاں تک بڑھتی ہے کہ ابوسمبل کے مندروں اور مجسموں کی بنیادوں میں مصری میثاق، انجیل اور قرآن مجید کے دو دو نسخے دفن کیے جاتے ہیں۔ کیا کسی اَن پڑھ سے اَن پڑھ مسلمان سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ فراعنہ کے بتوں کے نیچے قرآن مجید رکھے جانے پر خاموش رہے گا اور اس کی غیرتِ ایمانی اسے گوارا کر لے گی؟

یہ سب کچھ ان حالات میں ہو رہا ہے جبکہ شہری آزادیاں مفقود ہیں۔ پریس حکومت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبضے میں ہے۔ آزاد اخبارات ختم ہو چکے ہیں۔ مصر کے نامور اخبار "المصری" کا ایڈیٹر ابوالفتح جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ ایک دوسرے مشہور اخبار کا ایڈیٹر مصطفیٰ امین جو مصری حکام کے ثنا خوانوں میں پیش پیش تھا، جیل میں نظر بند ہے اور اس پر امریکہ کی جاسوسی کا الزام ہے۔ کمیونسٹ اخبارات و رسائل ملک میں بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ کمیونسٹ لٹریچر بازاروں میں پانی کی طرح بہہ رہا ہے۔ الاہرام کے ایڈیٹر محمد حسین ہیکل اور صوت القاہرہ کے اناؤنسر سعید احمد برابر سوشلزم کی تفسیریں عوام کو سنا رہے ہیں۔ ایک گروہ ازہر کے علماء کا بھی ہاتھ لگ گیا ہے جو اسلام کو سوشلزم اور اسلامی تاریخ کی نمایاں شخصیتوں کو سوشلسٹ ثابت کر رہا ہے۔ سوشلزم کے فضائل و مناقب کی گونج سے مصر کی فضا مرتعش ہو رہی ہے اور آسمان پھٹ رہا ہے۔ مصری اخبارات کے بیان کے مطابق ہر روز صدر ناصر کو قتل کرنے کی سازش پکڑی جاتی ہے جس کے پیچھے کسی نہ کسی "رجعت پسند" گروہ کا ہاتھ تار ہلاتا دریافت ہو جاتا ہے۔ اور عملاً یہ حال ہے کہ جب سے مصر میں مختلف کارخانوں اور اداروں کو قومی تحویل میں لیا گیا ہے بلکہ صحیح الفاظ میں سوشلسٹ پارٹی کی تحویل میں دیا گیا ہے، ان اداروں سے ہونے والی آمدنی صفر کے برابر ہو چکی ہے اور مصارف پہلے سے دوگنے ہو گئے ہیں۔

یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہے۔ اب اس تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ ہو۔ "عرب سوشلسٹ پارٹی" اور مصری حکام عوام کے حلق میں جو تلخ گھونٹ اتارنا چاہتے ہیں وہ اُن سے اُتر نہیں رہے ہیں۔ میثاق کے محامد و محاسن مصری عوام سے منوانے کے لیے لاکھوں پونڈ صرف ہو رہے ہیں، مگر عوام میثاق پر ایمان لانے سے اِبا کر رہے ہیں۔ وہ اسے کسی ایچ پیچ کے بغیر کمیونسٹ دستور کا چربہ سمجھتے ہیں۔ فرعونی تہذیب کے احیاء کے لیے پوری حکومت کی مشینری وقفِ تگ و تاز ہے۔ مصری پونڈ پر فرعون کی تصویر چھپ گئی ہے، ڈاک کی ٹکٹوں پر فرعون کی تصویر ہے، مصری کرنسی پر فرعونی عہد کا نشان "عقاب" ثبت ہو گیا ہے، سڑکوں کے نام شارع رعمیس، پارکوں کے نام میدانِ رعمیس، سینماؤں کا نام رعمیس سینما، مصر کی ساختہ موٹر (اگرچہ یہ بات مشکوک ہے) کا نام رعمیس رکھ دیا گیا ہے۔ مگر مصر کے مسلم عوام اس تہذیب پر ہزار بار لعنت بھیج چکے ہیں اور وہ فرعون کو اُسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نگاہ سے دیکھتے ہیں جس نگاہ سے حضرت موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے ماننے والوں کو دیکھنا چاہیے اسی طرح یمن میں حکومت کی مسلسل غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی انتہائی کوشش کی گئی ہے۔ یمن میں مرنے والے فوجیوں کو شہیدِ حُریّت کا خطاب دیا گیا ہے۔ اُن کے رشتہ داروں کو مختلف بہانوں سے راضی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود مصری فوج کا ایک حصّہ اور مصری عوام اس برادرکشی سے قطعی بیزار ہیں۔

اس کے مقابلے میں اسلام پسند عنصر، خواہ وہ اخوان المسلمون کا حامی ہو یا مخالف، جو بات کہتا ہے اس کی صدائے بازگشت عوام میں اُفق تا اُفق سُنی جاتی ہے۔ اخوان المسلمون کے رہنما اور کارکن ۱۹۵۴ء کے اواخر سے جیلوں میں ہیں۔ سیاسی لحاظ سے اُن کی کسی سرگرمی کا تصور ہی محال ہے۔ البتہ اُن کے اہلِ علم خواہ وہ جیل میں تھے یا باہر، علمی اور فکری لحاظ سے ملک کے اندر اسلام کو بچانے کی جو خدمت کر سکتے تھے انہوں نے کی ہے۔ اسلام کے مختلف موضوعات پر انہوں نے لٹریچر تیار کیا۔ مصر میں تفسیر، حدیث، فقہ، اسلامی تاریخ اور اسلامی نظامِ فکر پر اس قدر وافر لٹریچر پچھلے دس سالوں میں تیار ہوا ہے اور اس قدر مختلف النوع مسائل پر مشتمل ہے کہ انسان لکھنے والوں کی جرأت وہمت اور چھاپنے والوں کے ایثار کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آج ہمیں اسلام کے فوجداری نظام پر عبدالقادر عودہ شہیدؒ کی مشہور کتاب کے دو حصوں کے علاوہ نامور مصری محقق فتحی بہنس کی اس موضوع پر چھ ضخیم کتابیں ملتی ہیں۔ اسلام کے بین الاقوامی قانون پر طنطا کے کورٹ آف اپیل کے جج کی بے نظیر تالیف ملتی ہے۔ اسلامی نظام کے فلسفیانہ مباحث پر محمد قطب، عبداللہ السمان، محمد حسین کی تصانیف ملتی ہیں۔ "نامورانِ اسلام" کے عنوان سے اسلامی تاریخ کے فقہاء، مفسرین، محدثین، قائدین، اہلِ لغت و نحو اور اربابِ سیر و تاریخ کی زندگیوں پر مشتمل طویل سلسلہ ہمارے سامنے موجود ہے جو مصر کے مطبعوں نے چھاپا ہے۔ الغرض اس طرح ہزارہا کتابیں اس دور میں اہلِ علم نے تیار کی ہیں اور فکری اور علمی لحاظ سے اسلام کی برتری ثابت کرنے کی جدوجہد کی ہے۔ یہی "رجعت پسندانہ" لٹریچر مصر کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عوام میں قبولیت کا مقام حاصل کر سکا ہے۔ مصر کے مکتبے اسی لٹریچر سے لبریز، اور خریداروں کی اکثریت کی بغل میں یہی لٹریچر دیکھا گیا ہے۔

مصر کی کمیونسٹ پارٹی (جو اب عرب سوشلسٹ پارٹی کے نام سے موسوم ہے) کے لیے یہ صورتِ حال سوہانِ رُوح بنی ہوئی تھی۔ مصر کو سوشلسٹ (یا صحیح لفظوں میں کمیونسٹ) معاشرے میں تبدیل کرنے کے لیے ان "رجعت پسندانہ" افکار اور "رجعت پسند" اہلِ قلم کا کلی استیصال ضروری تھا۔ ہمارے علم کے مطابق کمیونسٹ لیڈروں نے ایک طویل رپورٹ تیار کر کے ماسکو بھیجی جس میں یہ وضاحت کی گئی کہ مصر میں جب تک رجعت پسند گروہ کا ایک فرد بھی موجود ہے اُس وقت تک مصر ہمارے لیے لقمۂ تر نہیں بن سکتا۔

سیاسی لحاظ سے بھی مصر کی جو کیفیت ہے اُس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ مصری حکام کے تصرفِ ناروا سے شام کے لوگ صرف ۳ سال کے اندر چلّا اُٹھے اور انہوں نے شام کو مصر کے پنجے سے آزاد کروا کر دم لیا لیکن جہاں ۱۲ سال سے یہ ناروا کارروائیاں جاری ہوں وہاں آخر اضطراب و بیزاری کس درجہ تک پہنچ چکی ہو گی۔ مصری عوام کی مصری حکام سے بیزاری کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب ۱۹۶۴ء میں مصطفیٰ نحاس پاشا کی وفات ہوئی اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ ان کے جنازہ میں شریک ہوئے اور جنازہ کے اندر عوام اور پولیس کی جھڑپیں ہوئیں۔ اس بیزاری کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو ایک قانون نافذ کیا گیا جس کی رُو سے صدرِ مملکت کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو سیاسی وجوہ کی بنا پر مقدمہ چلائے بغیر گرفتار کر سکتا ہے اور اس کے خلاف کسی جگہ اپیل نہیں کی جا سکتی۔

اُدھر یمن کا مسئلہ بھی ایسے مرحلے میں داخل ہو چکا ہے کہ مصر کے عوام جوشِ جنوں میں سر بھی پھوڑ لیں تو کم ہے۔ تین سال تک مصری فوجوں نے یمن کی اینٹ سے اینٹ بجائی۔ ایک ارب پونڈ خرچ کیے۔ دس ہزار (اور دوسری روایت کے مطابق ۲۵ ہزار) مصری سپوتوں کو اس جنگ کی نذر کیا۔ مصر کی اقتصادیات کا ستیاناس کیا۔ اسرائیل کے مقابلے کے لیے جو رہی سہی قوت موجود

(باقی ص ۶۹ پر)
© rasailojaraid.com